عدالت صحابہؓ کا مفہوم، بنیاد اہمیت اور مقام

تحریر

مفتی عبید الرحمان صاحب
رئیس دارالافتاء والارشاد، مردان

مکتبہ دارالتقویٰ، مردان

عدالتِ صحابہ کرام کا مفہوم، بنیاد، اہمیت اور مقام[1]

قرآن وحدیث میں ایسی نصوص کا ایک ذخیرہ ہے جہاں حضرات صحابہ کرام کی تعریف وتوصیف، ان کے فضائل ومناقب، محامد وخصائل، ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت، جنت اور رضوان کا مژدہ سنایا گیا، محدثین میں سے امام احمد بن حنبل اور امام نسائی رحمہا اللہ وغیرہ حضرات نے اس پر مستقل اجزاء تصنیف فرمائے ہیں اور اس میں صحابہ کرام کے فضائل ومناقب سے متعلق احادیث کو جمع فرمایا ہے لیکن یہاں اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، سرِ دست اتنا کہنا کافی ہے کہ ان نصوص کی وجہ سے تمام اہلِ حق کا ہمیشہ یہ متفقہ موقف رہا ہے کہ صحابہ کرام سب عادل ہیں، علامہ خطیب بغدادی، امام ابن عبد البر، اور امام ابن حجر مکی، علامہ آلوسی وغیرہ نے اس پر سلف وخلف اہلِ حق کا اتفاق نقل فرمایا ہیں۔

یہاں تک تو بات واضح ہے لیکن یہاں جو لفظِ عدالت استعمال ہوا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ کیا صرف روایت اور نقلِ احادیث کی حد تک عدالت مقصود ہے کہ نقل حدیث کے باب میں ان پر کلی اعتماد کیا جائے گا اور ان کی نقل کو بلا جرح ونقد قبول کیا جائے گا یا زندگی اور اس کے مختلف ومتلوّن حالات واطوار میں بھی ان کو عادل سمجھا جائے گا؟ عدالت کا یہ دوسرا مفہوم لفظِ تقویٰ کے قریب قریب ہے اتنا فرق ہے کہ تقویٰ شریعت کی نافرمانی، کبائر کے ارتکاب اور صغائر پر اصرار نہ

---

[1] یہ مضمون پہلے مجلہ صفدر لاہور کے شمارہ جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ / فروری ۲۰۱۹ میں شائع ہو چکا ہے۔

کرنے کانام ہے اور عدالت میں اس کے ساتھ ساتھ مُرَوت کا بھی ایک حد تک لحاظ رکھناضروری ہے۔

قرآن وسنت اور عقل سلیم کے جن دلائل وبراہین کے بنیاد پر یہ ضابطہ تسلیم کیا گیاہے، وہ اس باب میں بالکل واضح اور دوٹوک ہیں کہ صحابہ کرام کے لئے جس" عدالت" کو ثابت ماننا ضروری ہے وہ یہی دوسرا معنٰی ہے یعنی یہ حضرات صرف نقلِ حدیث کی حد تک ہی نہیں، بلکہ پوری زندگی اور اس کے مختلف نشیب وفراز میں عادل، متقی اور پورے متبع شریعت تھے اوران میں سے کوئی فرد فاسق وفاجر نہیں گزرا،اس کے بجائے عدالت کو صرف روایت حدیث کی حد تک محدود ومنحصر رکھنا بالکل غلط ہے۔

"عدالت" کے عام ہونے کی وجوہات

اس کی چند مختصر وجوہات درجِ ذیل ہیں:

ا:سورہ حجرات کے آیت نمبر(۷) میں یہ مضمون بیان فرمایا گیاہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے دلوں میں ایمان کی محبت ڈالدی اس کو ان کے دلوں میں مزین کیا گیااور کفر، فسق اور گناہ کے کاموں کو ان کے لئے مکروہ ومبغوض بنایا، اس قرآنی شہادت سے خود بخود معلوم ہوا کہ ایمان اور اس کے تقاضوں کی تکمیل، کفر، فسق اور فجور سے نفرت اور نفور ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی جو کہ عدالت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے، اس کے بعد حصر کے ساتھ ان کو" راشدون" قرار دینامزید اس بات میں قوت پیدا کرتاہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہی لوگ راشد ہے، یہی رشد وہدایت کے چراغ اور حقانیت کے مینار ہیں،

لہذا اگر ان کے بعد آنے والے لوگ منصب رشد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اسی جماعت کو مشعلِ راہ بنانا ہو گا۔

۲: دسیوں نصوص میں ان مبارک شخصیات کے لئے "رضی اللہ عنہم" کا اعلان عام کیا گیا، حالانکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ فسق وفجور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ناپسندیدہ کام ہے اس لئے فاسق وفاجر شخص کے لئے اتنے عموم واطلاق کے ساتھ رضاء خداوندی کا اعلان نہیں ہوتا۔

۳: کوئی فرد اگر فسق وفجور کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا ازالہ توبہ واستغفار کرنے سے ہو جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ واسعہ سے حسنِ ظن رکھتے ہوئے غالب گمان یہی ہے کہ توبہ قبول ہو چکا ہو گا تو گناہ باقی نہ رہا، یہ قانون یوں تو تمام انسانیت کے لئے عام ہے، لیکن اس باب میں صحابہ کرام کا معاملہ بڑا ہی نرالا اور بالکل ممتاز ہے، چنانچہ ایک طرف تو کئی نصوص میں ان کو اللہ تعالیٰ کے فضل ورضوان کا متلاشی قرار دیا گیا جس سے ان کی زندگی کے اہداف ومقاصد کا بھی تعین ہو گیا اور گناہوں سے ان کے نفرت ونفور بھی معلوم ہوا، کیونکہ گناہوں کا ارتکاب اس مقصد کے حصول میں بڑی رکاوٹ ہے، پھر دوسری جانب ان کو بار بار مغفرت اور ابدی جنتی ہونے کی خوشخبریاں سنائی گئیں، لہذا اگر ان حضرات کے دامن میں کچھ فسق وفجور تھا بھی، تو مغفرتِ خداوندی کے سیلِ عام سے اس کا مکمل طور پر صفایا ہو گیا، اب اس اعلان عام کے بعد ان میں سے کسی کو فاسق کہنا ممکن نہ رہا۔

۴: متعدد نصوص میں صحابہ کرام کے اتباع کرنے کا حکم دیا گیا، ان کے ایمان / اعمال کو عام مسلمانوں کے لئے ترازو کے طور پر مقرر کیا گیا، حالانکہ فاسق کی اتباع تو کیا، فسق کے باوصف محبت و تعلق بھی مذموم ہے۔

۵: خود صحابہ کرام کا بھی یہی موقف تھا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

من كانَ مستنًا فليستنّ بمن قد ماتَ، فإن الحيَّ لا يؤمنُ عليه الفتنةُ، أولئك أصحابُ محمدٍ صلىٰ الله عليه وسلم كانوا أفضلَ هذه الأمةِ: أبرَّهَا قلوبًا، وأعمَقَها علمًا، وأقلَّها تكلفًا، اختارهم الله لصحبةِ نبيه صلىٰ الله عليه وسلم ولإقامةِ دينهِ، فاعرفوا لهم فضلهمُ، واتبعوهم علىٰ أثرِهم، وتمسكوا بما استطعتُمْ به من أخلاقِهم وسيرهم، فإنهم كانوا علىٰ الهدىٰ المستقيم.[1]

ترجمہ: "تم میں سے کوئی اگر کسی کی پیروی کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ اُن لوگوں کی پیروی کرے جو دنیا سے جا چکے ہیں۔ کیونکہ زندہ لوگوں کے بارے میں فتنہ سے بچنے کی کوئی ضمانت نہیں۔ وہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے جو اس امت میں سب سے افضل تھے، ان کے دِل انتہائی نیک اور علم بے حد گہرا تھا، بہت کم تکلف والے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور دین کو قائم کرنے کے لئے ان کو چنا، بس تم اُن کی فضیلت جان لو، اُن کے نقش قدم پر چلو، اور

---

[1] جمع الفوائد، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، ج١ص٣٠.

اُن کے عادات واِخلاق کو اپنی استطاعت کے مطابق مضبوط پکڑو! کیونکہ وہی سیدھے راستے پر تھے۔

خیال رہے کہ یہ اسی شخصیت کا فرمان ہے جس کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ: میں اپنی امت کے لئے وہ بات پسند کرتا ہوں جو ابن ام عبد یعنی عبد اللہ بن مسعود اس کے لئے پسند کرتا ہے[1]۔

آپ ہی کا ارشاد ہے کہ:

"إن الله عز وجل نظر في قلوب العباد، فوجد قلب محمد صلى الله عليه وسلم خير قلوب العباد، فاصطفاه لنفسه، وابتعثه برسالاته، ثم نظر في قلوب العباد بعد قلب محمد فوجد قلوب أصحابه خير قلوب العباد فجعلهم وزراء نبيه صلى الله عليه وسلم يقاتلون عن دينه، فما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن، وما رآه المسلمون سيئا."[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو ان میں سب سے بہتر دِل نبی کریم ﷺ کا پایا، پس اُسے اپنے لیے چن لیا، اسے اپنا پیغام دے کر بھیجا، پھر آپ ﷺ کے بعد باقی دلوں پر نظر فرمائی، تو آپ کے صحابہ کے دلوں کو باقی (امتوں کے) قلوب سے بہتر پایا، تو انھیں اپنے نبی کی نائبین کے طور پر منتخب فرمالیا، جو

---

[1] عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «رَضِيتُ لِأُمَّتِي مَا رَضِيَ لَهُمُ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ، وَكَرِهْتُ لِأُمَّتِي مَا كَرِهَ لَهَا ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ» (فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل ،ج٢ص ٨٣٨.

[2] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد،باب في الإجماع،رقم٨٣٢،ج١ص ١٧٧.

آپ ﷺ کی دین کی سربلندی کے لیے قتال کریں گے۔ پس مسلمان جس بات کو اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے، اور جسے برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے۔

٦: اہلِ حق کا ابتداء ہی سے یہی موقف رہا ہے، محدثین اور متکلمین نے جہاں صحابہ کرام کو عادل کہا تو کہیں اس کو روایت حدیث یا نقلِ شریعت تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کی تفسیر وتوضیح میں وہی "عدالت" کا عام متبادر مفہوم ذکر فرمایا، چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مشہور ومستند عقیدہ میں تحریر فرماتے ہیں:

ونحبّ أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا نفرط في حب أحد منهم ولا نتبرأ من أحد منهم ونبغض من يبغضهم وبغير الخير يذكرهم ولا نذكرهم إلا بخير وحبهم دين وإيمان وإحسان وبغضهم كفر ونفاق وطغيان.[1]

ترجمہ: ہم آپ ﷺ کے صحابہ کرام کے ساتھ محبت رکھتے ہیں، جس میں نہ حد سے تجاوز کرتے ہیں (خاص نبوی اور خدائی صفات کا حامل قرار نہیں دیتے۔ [ناقل]) نہ اُن میں سے کسی سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ جو لوگ صحابہ سے بُغض رکھیں اور اُن کا تذکرہ بُرائی کے ساتھ کریں ہم اُن لوگوں سے بُغض رکھتے ہیں۔ ہم صحابہ کا تذکرہ اچھائی کے بغیر نہیں کرتے، اُن سے محبت، ایمان اور نیکی ہے جبکہ اُن سے بُغض رکھنا کفر، نفاق اور سرکشی (کی علامت) ہے۔

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[1] متن العقيدة الطحاوية.

عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله تعالى لهم وإخباره عن طهارتهم واختياره لهم. وسرد في ذلك آيات كثيرة وأحاديث شهيرة...ولو لم يرد من الله سبحانه ورسوله صلى الله عليه وسلم شيء من ذلك لأوجبت الحال التي كانوا عليها من الهجرة والجهاد ونصرتهم الإسلام وبذل المهج والأموال وقتل الآباء والأولاد والمناصحة في الدين وقوة الإيمان واليقين القطعَ بتعديلهم والاعتقاد لنزاهتهم وأنهم أفضل من جميع الخالفين بعدهم والمعدلين الذين يجيئون إثرهم.وهذا مذهب كافة العلماء ممن يعتمد قوله.[1]

ترجمہ:"صحابہ کرام کی عدالت واضح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی صفائی بیان کی اور اُنکی صفائی اور اچھائی کی خبر دی،اس بارے آیات مبارکہ اور اَحادیث طیبہ بکثرت وارد ہیں،بالفرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بارے میں کوئی وضاحت نہ بھی آئی ہوتی تب بھی وہ جس صورت پر تھے مثلا:ہجرت ،جہاد،دین اسلام کی مدد اور اس کے لیے جان ومال دینا،والدین اور اولاد کو اللہ کی رضا کے لیے قتل کرنا،دین کی وجہ سے خیر خواہی،ایمانی قوت اور پختہ یقین،ان سب باتوں سے ان کی عدالت اور ان کی صفائی یقینامعلوم ہوتی ہے کہ بے شک بعد میں آنے والے لوگوں سے اور اپنے نقش قدم پر چل کر نیک بننے کی کوشش کرنے والوں میں سے افضل ہیں اور ان تمام علماء کی رائے ہے جن کا قول معتبر سمجھا جاتا ہے۔

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] الکفاية في علم الرواية،باب ما جاء في تعديل الله ورسوله للصحابة،ص٤٦.

اعْلَم أَن الَّذِي أجمع عَلَيْهِ أهل السّنة وَالْجَمَاعَة أَنه يجب على كل أحد تَزْكِيَة جَمِيع الصَّحَابَة بِإِثْبَات الْعَدَالَة لَهُم والكف عَن الطعْن فيهم وَالثنَاء عيلهم ..فَإِذا شهد تَعَالَى فيهم بِأَنَّهُم خير الْأُمَم وَجب على كل أحد اعْتِقَاد ذَلِك وَالْإِيمَان بِهِ وَإِلَّا كَانَ مُكَذبا لله فِي إخْبَاره وَلَا شكّ أَن من ارتاب فِي حقية شَيْء مِمَّا أخبر الله أَو رَسُوله بِهِ كَانَ كَافِرًا بِإِجْمَاع الْمُسلمين.[1]

ترجمہ: اہل السنۃ والجماعۃ کا جن باتوں پر اتفاق ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ ہر شخص کے ذمے لازم ہے کہ وہ تمام صحابہ کو نیک تصور کرے، ان کے لیے عدالت ثابت سمجھے، ان پر طعن کرنے سے بچے، ان کی تعریف کرے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں گواہی دی کہ وہ تمام امتوں سے افضل ہیں تو ہر ایک کے ذمے لازم ہے کہ وہ ان باتوں کا یقین کر کے اس پر ایمان لے آئے، ورنہ پھر تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس خبر دینے میں نعوذ باللہ جھوٹا جانے گا اور بے شک جس چیز کی خبر اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے اس کی سچائی میں شک کرنے والا بالاتفاق کافر ہے۔

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ کچھ شبہات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأجيب بأنه ليس مرادنا من كون الصحابة رضي الله تعالى عنهم جميعهم عدولا أنهم لم يصدر عن أحد منهم فسق أصلا ولا ارتكب ذنبا قط..بل مرادنا أنهم لم ينتقلوا من هذه العار إلى دار القرار إلا وهم طاهرون مطهرون تائبون آيبون ببركة صحبتهم للنبي صلى

---

[1] الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة،الخاتمة فِي بَيَان اعْتِقَاد أهل السّنة وَالْجَمَاعَة فِي الصَّحَابَة رضوَان الله عَلَيْهِم، ج٢ص٦٠٣.

الله تعالیٰ علیه وسلم ونصرتهم إياه وبذل أنفسهم وأموالهم في محبته وتعظيمهم له أشد التعظيم سرا وعلانية، كما يدل على ذلك الكتاب وتشهد له الآثار.[۱]

ترجمہ:"تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عادل ہونے سے ہمارا مقصد نہیں کہ ان میں سے کسی سے فسق یا گناہ کی کوئی بات سر زد نہیں ہوئی، بلکہ ہماری مراد یہ ہے کہ وہ دنیا سے آخرت کی طرف پاک صاف حالت میں منتقل ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کرنے، اپنے مال وجان کو آپ کی محبت میں لٹانے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور پس پشت حد درجہ تعظیم کرنے کی وجہ سے۔ جیسا کہ اس بات پر قرآن کریم کی آیات اور متعدد احادیث گواہ ہیں"۔

۷:عدالت کو صرف نقلِ اخبار میں منحصر سمجھنا عقلاً بھی بعید ہے، آخر سوچنے کی بات ہے کہ جو شخص فسق وفجور کا عادی ہو، عزت ودبدبہ اور مال ودنیا کی ہوس میں مست ہو، شراب نوشی اور بے گناہ لوگوں پر تہمت لگانے، اس کو ناجائز طور پر بدنام کرنے اور اس کے عزت وناموس پر ڈاکہ ڈالنے سے نہ رُکے، اپنی خواہشات سے اس حد تک مجبور ہو کہ اس کو پورا کرنے کے لئے قطعی نصوص تک کی قربانی دیدے، اپنے اقتدار وکرسی کی حفاظت کے لئے وہ معصوم اور مقدس مسلمانوں کی جماعت کو خون میں رنگین کر سکتا ہو، تو آخر وہ کونسی چیز ہے جو اس کو نقلِ اخبار کی بابت صادق مصدوق اور مکمل طور پر قابلِ اعتماد ٹھہرائے؟! ایسے لوگوں کے لئے

---

[۱] الأجوبة العراقية على الأسئلة اللاهورية ،الفصل الأول،ص۲۲.

اپنی مطلب کی بات کو احادیث کے نام پر رواج دینے میں آخر کونسی چیز رکاوٹ بن سکتی ہے!

اگر قرآن وسنت کی نصوص کی وجہ سے اس تفصیل کا موقف اختیار کیا جائے تو نصوص میں قطعاً یہ دو شق مذکور نہیں ہیں، وہاں تو پوری جماعت کی مکمل صفائی وستھرائی اور عند اللہ قبولیت کا اعلان عام ہے، اگر تجربہ یا سلف کے اعتماد کو اس شق بندی کا اساس ٹھہرایا جائے، تو وہاں بھی یہ تفصیل نہیں ملتی بلکہ تمام سلفِ صالحین کے نزدیک حضرات صحابہ کرام اپنی مکمل زندگی اور اس کے تمام تر اطوار واعمال میں عادل ہیں۔

عادل ہیں سب کے سب

عدالتِ صحابہ کے متعلق جو کچھ باتیں تحریر کی گئیں، یہ تمام باتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی پوری جماعت کے متعلق ہیں جس میں انفرادی طور پر ہر ہر صحابی اور اجتماعی طور پر سب صحابہ کرام شامل ہیں اور اس لحاظ سے سب صحابہ درجِ بالا تشریح کے مطابق عادل ومتقی تھے جن میں بلا استثناء کوئی فاسق وفاجر نہیں گزرا، کیونکہ جن دلائل ونصوص سے ان حضرات کا یہ مقام معلوم ہوتا ہے وہ اپنے عموم واطلاق کے لحاظ سے پوری جماعت اور اس کے سب افراد کو حاوی ہیں اور اس میں سے کوئی فرد مستثنیٰ نہیں ہے، جمہور سلف وخلف کا یہی مشرب رہا ہے گو بعض اہلِ اعتزال وغیرہ نے مختلف بنیادوں پر کچھ کچھ صحابہ کرام کی عدالت سے انکار بھی کیا۔

علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واعتقاد أهل السنّة تزكية جميع الصّحابة والثّناء عليهم كما أثنى الله عليهم سبحانه وتعالیٰ عليهم إذ قال: كنتم خير أمّة أخرجتْ للنّاس.[1]

ترجمہ: "تمام صحابہ کو عادل سمجھنا اور ان کی اچھائی بیان کرنا اہل سنت کا عقیدہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی ہے کہ: آپ بہترین لوگ ہیں، لوگوں کی نفع رسانی کے لیے نکالے گئے ہو۔

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اعْلَم أَن الَّذِي أجمع عَلَيْهِ أهل السّنة وَالْجَمَاعَة أنه يجب علیٰ كل أحد تَزْكِيَة جَمِيع الصَّحَابَة بِإِثْبَات الْعَدَالَة لَهُم والكف عَن الطعْن فيهم وَالثنَاء عليهم.[2]

ترجمہ: "واضح رہے کہ تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر شخص کے ذمے لازم ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اچھائی بیان کرے، ان کے لیے عدالت ثابت کرے اور ان کے بارے میں طعن و تشنیع سے بچے، اور ان کی تعریف کرتا رہے۔

غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ

جن لوگوں نے عدالت صحابہ میں لفظ عدالت کے وسیع مفہوم کو محض روایت اور نقلِ حدیث کی حد تک مقید رکھا، ان کی بنیادی غلط فہمیاں یہ ہیں کہ:

---

[1] المسائرة مع المسامرة، ص۲۵۹.

[2] الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة، الخاتمة فِي بَيَان اعْتِقَاد أهل السّنة وَالْجَمَاعَة فِي الصَّحَابَة رضوَان الله عَلَيْهِم، ج۲ص۶۰۳.

الف:عدالت کے معنی سے غفلت اور اس کو گویا "عصمت" کے مترادف سمجھنا۔

ب: بعض حضرات صحابہ کرام سے کچھ ایسے افعال سرزد ہوئے جو عدالت کے منافی اور موجب فسق ہیں، مثلاً: دو تین صحابہ کرام کو زنا کے جرم میں سنگسار کیا گیا، کچھ کو حد قذف کے طور پر سزا دی گئی، وغیرہ۔ یہ بات بھی دراصل پہلی ہی غلط فہمی کا نتیجہ اور اسی کا ثمرہ ہے۔

یاد رہے کہ عدالت یا عادل ہونے کی وجہ سے کوئی معصوم نہیں بنتا کہ اس سے گناہ صادر ہی نہ ہونے پائے، چنانچہ اس معنی میں کوئی صحابہ کرام کی عدالت کا قائل نہیں ،بلکہ چونکہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی طرح معصوم نہیں ہیں، اس لئے ان سے فی الجملہ بعض گناہوں کا صدور ممکن ہے بلکہ کئی ایک دفعہ ایسا واقع بھی ہوا، لیکن اس ضابطہ سے بھی غفلت برتنا انصاف نہیں ہے کہ محض کسی گناہ کے سرزد ہونے کی وجہ سے کسی شخص کی عدالت ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہو پاتی، ورنہ شاید ہی آج کوئی عادل نظر آئے، بلکہ گناہ ہونے کے باوجود بھی کوئی شخص صدقِ دل سے شریعت کے منشاء کے مطابق توبہ کرے تو عدالت بحال رہتی ہے۔

جن لوگوں پر حد قذف جاری ہو جائے تو قرآن کریم نے ان کو صراحت کے ساتھ فاسق کہا، لیکن اس کے باوجود یہ استثناء رکھا کہ اگر وہ اس جرم کے بعد توبہ کرے اور اپنی زندگی کو نئے سرے سے سدھارے، تو وہ فاسق نہیں رہیں گے، اس

سے معلوم ہوا کہ یقینی طور پر فسق کا کام کرنے اور فاسق ہو جانے کے بعد بھی توبہ واصلاح کے ذریعے فسق کا دھبہ دھل سکتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

{وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ. إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ}[النور: ٤، ٥]

ترجمہ: "اور یہی لوگ فاسق ہیں مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنا عمل درست کیا، پس اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے"۔

امام شافعی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"لا أعلم أحدا أعطي طاعة الله حتىٰ لم يخلطها بمعصية إلا يحيىٰ بن زكريا عليه السلام ولا عصىٰ الله فلم يخلط بطاعة فإذا كان الأغلب الطاعة فهو المعدل وإذا كان الأغلب المعصية فهو المجرح.[1]

ترجمہ: "میرے علم میں ایسا کوئی نہیں جسے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی توفیق ملی ہو اور اس سے کوئی خطا سرزد نہ ہوئی ہو، سوائے حضرت یحیٰ علیہ السلام کے۔ اسی طرح نہ ہمیں ایسا کوئی نافرمان معلوم ہے جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی ہو۔ (لہذا جب معاملہ یہی ہے) تو جب کسی کی نیکیاں غالب ہوں تو وہ معتبر اور گناہ غالب ہوں تو مجروح ہو گا"۔

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ مختلف کبیرہ گناہوں کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

---

[1] الكفاية في علم الرواية للخطيب البغدادي، باب الكلام في العدالة وأحكامها،ص٧٩.

كل من ثبت عليه فعل شيء من هذه الكبائر المذكورة أو ما كان بسبيلها كشرب الخمر واللواط ونحوهما فعدالته ساقطة وخبره مردود حتىٰ يتوب.[1]

ترجمہ: "جس کسی سے بھی مذکورہ کبیرہ گناہوں میں سے کوئی گناہ سرزد ہونا ثابت ہو، یا مذکورہ گناہوں کی طرف لے جانے والا گناہ، مثلا: شراب پینا، اغلام بازی کرنا وغیرہ تو اس شخص کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور اس کی بات توبہ کرنے تک ناقابلِ قبول ہو گی"۔

یعنی کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کرنے سے انسانی زندگی پر فسق وفجور کا داغ لگ جاتا ہے لیکن ہمیشہ کے لئے نمایاں نہیں رہتا بلکہ توبہ کرنے سے زائل ہو جاتا ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں:

وأجاب بعضهم عن جميع ذلك بأنا لم ندع العصمة في الصحابة وإنما ادعينا العدالة فيهم، ومجرد وقوع ما يخل بها في وقت من أحدهم لا يستدعي سلبها عنه دائما.[2]

ترجمہ: "ہم صحابہ کی 'عصمت' کا دعوی نہیں کرتے بلکہ 'عدالت' کا دعوی کرتے ہیں۔ اور اگر کسی سے عدالت میں خلل ڈالنے والی بات کسی وقت سرزد ہو تو وہ ان کی عدالت ہمیشہ کے لیے ختم نہیں کرتی"۔

اور یہ محض اتفاقی بات نہیں ہے کہ صحابہ کرام میں سے جن افراد سے ایسی کوئی صریح غلطی صادر ہوئی جس کو لوگ ہدفِ تنقید بناسکتے ہوں تو وہاں اللہ تعالیٰ کی

---

[1] الكفاية في علم الرواية،باب ما جاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من ذكر الكبائر،ص:١٠٤.

[2] الأجوبة العراقية على الأسئلة اللاهورية،الفصل الأول ففي بيان أن الصحابة عدول،ص:٢٨.

طرف سے ان کو اس قدر صدق وندامت کے ساتھ توبہ کی توفیق نصیب ہوئی جس نے بعد کے آنے والے لوگوں کے لئے انگلی رکھنے کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی، چنانچہ حضرت ماعز اسلمی اور غامدیہ کے رجم ہو جانے کے بعد حضور ﷺ نے ان کے صدقِ توبہ کی خود خبر دی تھی، غامدیہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر ناجائز طور پر لوگوں سے ٹیکس لینے والا جیسا ظالم آدمی بھی ایسی توبہ کرے تو اس کے لئے کافی ہو جائے گا بعض روایات کے مطابق یہ بات حضرت ماعز کے بارے میں فرمائی تھی، حالانکہ ناجائز ٹیکس کی وجہ سے بندوں کے حق ذمہ پڑ جاتے ہیں جن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بنسبت سنگین ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بالکل درست تحریر فرمایا کہ:

قد أخلصوا الأعمال من الرياء نفلا وفرضا واجتهدوا في طاعة مولاهم ليرضى وغضوا أبصارهم عن الشهوات غضا، فإذا أبصرتهم رأيت قلوبا صحيحة وأجساما مرضى وعيونا قد ألفت السهر فما تكاد تطعم غمضا؛ بادروا أعمارهم لعلمهم أنها ساعات تتقضىٰ،ومن ارتكب منهم من يخالف بعض هذه الأوصاف لم يمت إلا وهو أنقىٰ من ليلة الصدر غير مدنس بوصمة ولا مصر على سيئة.[1]

ترجمہ:"صحابہ کرام نے اپنے فرضی اور نفلی اعمال کو ریا سے پاک رکھا،اور اپنے رب کی رضامندی کے لیے نیکیوں میں خوب کوشش کی، گناہوں سے مکمل کنارہ کشی اختیار

[1] الأجوبة العراقية على الأسئلة اللاهورية، الفصل الأول في بيان أن الصحابة عدول،ص:٩.

کی، پس جب تم انہیں دیکھنا چاہوں گے تو صحیح دل، کمزور جسم اور ایسی آنکھوں والے دیکھو گے جنھیں شب بیداری کی عادت ہو۔ وہ کبھی کبھار کھاتے ہیں، (زیادہ تر) عمل کی طرف لپکے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ (دنیاوی زندگی کے) یہ چند لمحات گزرنے والے ہیں اور بعض (وہ صحابہ) جن سے مذکورہ اوصاف کے خلاف کچھ سرزد ہو گیا (وہ بھی نیک اور عادل شمار ہوں گے۔ کیونکہ) وہ دنیا سے اس حالت میں گئے کہ ان کا دل ہر قسم (کے گناہ) کی آمیزش سے پاک تھا۔ اور گناہ پر مصر بھی نہیں تھے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام سے غلطی / کبیرہ گناہوں کا صدور گو ناممکن نہیں تھا لیکن عملی دنیا میں ان سے کبھی کسی گناہ پر اصرار صادر نہیں ہوا بلکہ جب گناہ کا ارتکاب ہوا بھی، تو اللہ تعالیٰ کے بے پنا توفیق سے ان کو مقبول توبہ کی توفیق نصیب ہوئی جس کی بدولت وہ گناہوں کی آمیزش اور معاصی کی آلودگیوں سے مکمل طور پر صاف ستھرے ہو کر دنیا سے رحلت کر گئے۔

تیسری غلط فہمی

اس حوالہ سے تیسری بڑی اور اہم غلطی جو پیدا ہوتی ہے وہ صحابہ کرام کے درمیان آپس میں پیش آنے والے مختلف اختلافات ومشاجرات ہیں، ان مشاجرات کو دیکھتے ہوئے قدیم وجدید ہر زمانے میں کچھ لوگ تردد کا شکار ہو کر یہ فیصلہ کرنے لگ جاتے ہیں کہ اختلافات کی وجہ سے جب جنگ وجدال تک کی نوبت پہنچ جائے تو اس میں کوئی ایک فریق ضرور کسی ناجائز امر کا مرتکب ہو گا، کیونکہ دونوں فریق کی جانب سے نیکی، پارسائی اور عدالت برقرار رہنے کے باوجود قتل وقتال کا پیش آنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے، پھر اگر کچھ تاریخی روایات اور اس میں ذکر کردہ بعض بے سروپا کہانیوں کو بھی سامنے رکھا جائے تو عدالت یا تقویٰ

وطہارت کی بات تو در کنار، انسانی شرافت اور اسلام وایمان تک کا سوال ہونے لگتا ہے۔

لیکن یہ بات بھی اس درجہ یقینی نہیں ہے جس کو "عدالتِ صحابہ" کے قطعی نظریہ کے بر خلاف قبول کیا جائے یا اس کے متعارض سمجھا جائے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اختلافات ونزاعات غلطی ہی کی پیداوار ہے، لیکن یہ کوئی لازم نہیں کہ قصداً اعمداً ہی کوئی فریق غلطی کر بیٹھے، بلکہ بسا اوقات پوری نیک نیتی اور اخلاص وصداقت کے باوجود بھی تجربہ، اجتہاد، مزاج ومذاق اور فکر ونظر میں فرق کی وجہ سے اختلافات رونما ہوجاتے ہیں، چنانچہ روایات میں ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص جب فوت ہوا تو اس کے متعلق خود جنت وجہنم کے فرشتوں کا اختلاف ہوا ،ایک موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا سر پکڑا تھا، غزوہ بدر کی قیدیوں کے متعلق حضور ﷺ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی آراء سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے مختلف تھی لیکن دونوں آراء کی تہہ میں کسی ظلم وعداوت یا فسق وگناہ کا شائبہ نہ تھا، وغیرہ۔

بہر حال حضرات صحابہ کرام کے باہمی نزاعات ومشاجرات کا معاملہ بھی یوں ہی تھا کہ ہر فریق اپنے زعم واجتہاد کے مطابق بالکل حق پر تھا اور وہ جو کچھ کر رہا تھا وہ کسی نفسانیت یا بدنیتی کے بنیاد پر نہیں بلکہ شرعی حکم سمجھنے کی وجہ سے اس کی جرأت کر رہا تھا اور جو کچھ ہوا وہ ایک فریق کی جانب سے اجتہادی غلطی کی بناء پر صادر ہوا جس کی وجہ سے مجتہد نہ صرف یہ گناہ گار وفاسق نہیں بن جاتا بلکہ ساتھ ایک نیکی بھی ملتی ہے، امت مرحومہ کے سلف وخلف نے ان مشاجرات کو ہمیشہ اسی

پہلو پر حمل کیا اور اس میں حد سے زیادہ بحث و تکرار کرنے کو ناپسند سمجھا، اور یہ صرف حسن ظن ہی نہیں ہے بلکہ قرآن وسنت کے دسیوں دلائل کی وجہ سے ایسا کرنا ضروری بھی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وأما الحروب التي جرت فكانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب أنفسها بسببها وكلهم عدول رضي الله عنهم ومتأولون في حروبهم وغيرها ولم يخرج شئ من ذلك أحدا منهم عن العدالة لأنهم مجتهدون اختلفوا في مسائل من محل الاجتهاد كما يختلف المجتهدون بعدهم في مسائل من الدماء وغيرها ولا يلزم من ذلك نقص أحد منهم.[1]

ترجمہ:"صحابہ کرام کے درمیان جو لڑائیاں پیش آئیں وہ اس شبہ کی بنیاد پر تھیں کہ ان میں سے ہر ایک (پوری دیانتداری سے) اپنے آپ کو حق پر گمان کرتا تھااور چونکہ صحابہ کرام تمام کے تمام عادل ہیں اور ان کی لڑائی کے بارے میں تاویل سے کام لیا جاتا ہے اور اس بنیاد پر کسی صحابی کی "عدالت" ساقط نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ ایسے مجتہدین تھے جنہوں نے اجتہادی مسائل میں اختلاف کیا جیسا کہ ان کے بعد مجتہدین نے خون بہا وغیرہ مسائل میں اختلاف کیا۔ اور اس کی وجہ سے کسی کے مرتبے میں کوئی کمی نہیں آئی"۔

علامہ ابن الہمام اور علامہ قاسم قطلوبغا تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] شرح النووي على مسلم، كتاب فضائل الصحابة رضي الله عنهم.

(ودخولهم في الفتن بالاجتهاد) أي اجتهدوا فيها فأدىٰ اجتهاد كل إلىٰ ما ارتكبه وحينئذ فلا إشكال سواء كان كل مجتهد مصيبا كما هو ظاهر أو المصيب واحدا لوجوب العمل بالاجتهاد اتفاقا ولا تفسيق بواجب.[1]

ترجمہ: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا آزمائشوں میں داخل ہونا اجتہاد کی وجہ سے تھا یعنی انہوں نے اس بارے میں اجتہاد سے کام لیا، پس ہر ایک نے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا، لہذا کوئی اشکال نہیں۔ خواہ (ہم اس قاعدے کو دیکھیں کہ) ہر مجتہد مصیب ہو جیسا کہ واضح ہے۔ یا مصیب ایک ہو۔ پھر بھی اس کے اجتہاد پر عمل کرنا سب کے نزدیک لازم ہے اور واجب پر عمل کے کرنے سے کوئی فاسق نہیں ہوتا"۔

علامہ عبد العزیز پڑہاروی رحمہ اللہ مشاجرات کی بحث میں لکھتے ہیں:

والصحابة الأربعة مجتهدون في الحرب مخطئون فيه وعلي رضي الله عنه مجتهد مصيب. وقد تقرر في الأصول أنه يجب علىٰ المجتهد أن يعمل بما ادىٰ إليه اجتهاده ولا لوم عليه ولا علىٰ مقلده. فالقاتل والمقتول من الفريقين في الجنة.[2]

ترجمہ: "چاروں صحابہ کرام جنگ کے مسئلہ میں اجتہاد کرنے والے تھے اگرچہ وہ خطا پر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد درست تھا۔ نیز اُصولی طور پر یہ بات مسلم ہے کہ: ہر مجتہد کے لیے اپنے اجتہاد پر عمل واجب ہے اور اس بارے میں اس پر یا

[1] التقرير والتحبير علي التحرير، مسألة عدالة الصحابة، ج٢ص ٢٦٠.
[2] الناهية عن طعن أمير المؤمنين معاوية، ص:٢٧.

اس کی اتباع کرنے والوں پر کوئی ملامتی نہیں، اس وجہ سے ان لڑائیوں میں دونوں طرف سے قاتل اور مقتول سب جنتی ہیں"۔

دوسری جگہ حدیث عمار کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

الجواب أن أهل السنة أجمعوا على أن من خرج على علي كرم الله وجهه خارج على الإمام الحق، إلا أن هذا البغي الاجتهادي معفو عنه.[١]

ترجمہ: "اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اُٹھا، وہ بر حق امام کے خلاف کھڑے ہونے والوں میں سے تھا۔ البتہ اس قسم کے اجتہادی اختلاف کے بارے میں ان سے پوچھ تاچھ نہ ہو گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کے درمیان جو کچھ مشاجرات اور اختلافات رونما ہوئی تھیں، وہ اجتہادی غلطی کی بنیاد پر تھیں کسی فریق کی جانب سے اس میں بے جا ضد وعناد اور فسق وفجور کا عنصر ہر گز شامل نہ تھا، بلکہ بات یہ ہے کہ دونوں فریق نے اپنی حد تک اخلاص و دیانت داری کے ساتھ جس موقف کو حق اور قرینِ صواب سمجھا، اسی پر پورے استقامت کے ساتھ ڈٹا رہا۔

تحفہ اثنا عشریہ اور فتاویٰ عزیزی میں عدالت کی بحث

ہندوستان کے مشہور محدّث، فقیہ، مفسر اور مختلف علوم وفنون کی جامع شخصیت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کی طرف منسوب "فتاویٰ عزیزی" میں اس زیرِ بحث موضوع کے متعلق متعدد سوال وجواب مذکور ہے لیکن اس کی تفصیل میں

---

[١] أيضا، ص٧٤.

جانے سے پہلے آپ ہی کی مشہور و مقبول کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" سے ایک اقتباس پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو فتاویٰ عزیزی کی بنسبت زیادہ مستند ہے، اس میں لکھا ہے:

"یہاں ایک باریک بات جان لینی چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام پر سب و شتم اور طعن اس لئے کفر و حرام ہے کہ ان میں سب و شتم کی وجہ یعنی گناہ و کفر سرے سے موجود ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس یہ حضرات کرام تو اپنی ذات میں تعظیم و توقیر اور مدح و تعریف کے بے شمار اسباب اپنے اندر رکھتے ہیں، اب مسلمانوں کی وہ جماعت جو اپنے اندر اعزاز و اکرام، تعظیم و توقیر کے اسباب کی حامل ہو اور نص قرآنی سے ان کی گناہوں اور لغزشوں کی بخشش و معافی بھی ثابت ہو چکی ہو، تو ایسی جماعت بالیقین اعزاز و اکرام میں انبیاء کا حکم رکھتی ہے، اس لئے ایسی جماعت کی بدگوئی کرنا، اس کو ہدفِ ملامت بنانا، اس کی اہانت و تحقیر کرنا بھی حرام ہے۔۔ سوائے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عام امتیوں کا یہ حال نہیں ہے کہ ان کے گناہوں کی معافی کا ہم کو علم وحی اور قرآن سے قطعی معلوم ہو گیا ہو یا ان کی اطاعتوں کا قبول ہونا اور ان کے اعمال سے بالتخصیص اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا بطریق یقین ثابت ہو گیا ہو، گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقہ انبیاء کرام علیہم السلام اور عام امتیوں کے درمیان بطور برزخ ہے۔"[1]

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ، ص ۶۴۵

یہ بڑا نفیس اور دقیق علمی نکتہ ہے جس کی طرف متقدمین میں سے بھی شاید ہی کسی کی نظر گئی ہے، شاید اسی لئے آپ کے معاصر وسیع العلم مفسر علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ نے بھی اس نکتہ کو اپنی مفید کتاب "الاجوبۃ العراقیۃ" میں تائیداً نقل فرمایا اور ساتھ اس نکتہ کو سراہتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ:

وهذا كلام حسن وفيه تأييد لما ذكرنا من أن اعتبار ذنب مغفور في غاية السفه.[1]

یعنی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار مغفرت ورضوان کا اعلان کیا گیا تو اس کے بعد بھی ان کی بعض لغزشوں کے پیچھے پڑنا اور اس کی وجہ سے ان کے واقعی منصب میں قیل وقال کرنا سفاہت اور حماقت ہی ہے، کہ حق دار نے تو اپنا حق غیر مشروط طور پر معاف فرمایا اور کھل عام اعلان بھی کیا لیکن یہ ناقد ہنوز اس کو ہضم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، یہ بات شرعی دلائل اور جمہور سلف وخلف کے مسلک کے بالکل موافق اور معقول ہے۔

فتاویٰ عزیزی کے مختلف جوابات

فتاویٰ عزیزی کے مختلف جوابات میں صراحت ہے کہ "عدالتِ صحابہ" کا درجِ بالا مفہوم درست نہیں اور کچھ صحابہ کرام ایسے بھی گزرے ہیں جو کبائر کے مرتکب تھے، مثلاً ایک سوال کے جواب میں درج ہے:

---

[1] الأجوبة العراقية على الأسئلة اللاهورية ،الفصل الأول،ص:٥٠.

"اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ " الصحابۃ کلھم عدول "یعنی صحابہ سب عادل ہیں، اس عقیدہ کے بارے میں بارہا حضرت ولی نعمت اللہ مرحوم قدس سرّہ کے حضور میں بحث اور تفتیش واقع ہوئی تھی، آخر میں یہ منقح ہوا کہ اس جگہ عدالت کے متعارف معنیٰ مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ حدیث کی روایت میں یہ ثابت ہے کہ صحابہ سب عادل ہیں اور کسی دوسرے امر میں قطعی طور پر عادل ہونا مراد نہیں۔ حدیث کی روایت میں جس عدالت کا اعتبار ہے، اس سے مراد پرہیز کرنا روایت میں قصداً دروغ کہنے سے پرہیز کرنا ہے اور پرہیز کرنا اس بات سے کہ اس سے روایت میں انحراف ہونے کا خوف ہو۔۔اس پر دلیل یہ ہے کہ اس عقیدے کا کچھ نشان سابق کی کتب عقائد میں نہیں اور نہ سابق کی کتب کلام میں ہے۔ الخ"[1]

بعض کتابوں میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تھا کہ "مَا مَنَعَک اَن تسبّ اَبَا تُراب" اس کے متعلق فتاویٰ عزیزی میں ہے:

"بہتر یہی ہے کہ اس لفظ سے اس کا ظاہر معنیٰ سمجھا جائے، غایۃ الامر اس کا یہی ہو گا کہ ارتکاب اس فعل قبیح یعنی سبّ یا حکم سبّ حضرت معاویہ سے صادر ہونا لازم آئے گا، تو یہ کوئی اول امر قبیح نہیں ہے جو اسلام میں ہوا ہے اس واسطہ کہ درجہ سبّ کا قتل و قتال سے بہت کم ہے۔۔اور جب قتل و قتال اور حکم قتال کا صادر ہونا یقینی ہے اس سے چارہ نہیں تو بہتر یہی ہے کہ ان کو مرتکب کبیرہ کا جاننا چاہئے، لیکن زبان طعن و لعن بند رکھنا چاہئے، اسی طور سے کہنا چاہئے جیسا صحابہ سے ان کی شان میں کہا جاتا ہے جن

[1] فتاویٰ عزیزی، ص ۳۶۱.

سے زنا اور شرب خمر صادر ہوا، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور ہر جگہ خطاء اجتہادی کو دخل دینا بے باکی سے خالی نہیں ہے۔"[1]

ایک جواب میں عدالت کا مندرجہ مفہوم ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"ہرگز صحابہ سے کذب روایات حدیث میں ثابت نہ ہوا چنانچہ تجربہ و تحقیق سے ثابت نہ ہوا کہ کسی بارے میں کسی صحابی نے کچھ دروغ کہا ہے، نہ یہ کہ ان میں سے کسی سے کچھ گناہ کبھی نہ ہوا ہو، چنانچہ عنقریب بیان ہوا ہے کہ ان لوگوں میں سے بعض حضور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بسبب ارتکاب بعض کبائر کے محدود ہوئے، البتہ صحابہ کبار سے عمداً گناہ صادر نہ ہوئے، وہ اس سے محفوظ رہے، اور اس مقام میں اجتہاد وعدم اجتہاد صحابہ میں بحث کرنا مفید نہیں، اس واسطے کہ اگرچہ مجتہد تھے لیکن بعض صحابہ سے بعض مسئلہ میں یقیناً خطا ہوئی اس واسطے کہ اجتہاد بمقابلہ نص کے ہرگز قابل اعتبار نہیں۔"[2]

ان جیسے جوابات سے معلوم ہوا کہ:

الف۔ "الصحابۃ کلہم عدول" میں عدالت سے اس کا عام متبادر معنی مراد نہیں ہے بلکہ صرف عدالت فی الروایۃ مراد ہے۔

ب۔ بعض صحابہ نے کبائر کا ارتکاب کیا اور وہ مرتکب کبیرہ قرار پائے اس لئے ان کو ایسا ہی (مرتکب کبیرہ) سمجھنا چاہئے، البتہ لعن وطعن نہ کرنا چاہئے۔

حالانکہ سابقہ تفصیل سے واضح ہوا کہ یہاں عدالت کے مفہوم کو صرف روایتِ حدیث کے ساتھ مقید کرنا اہلِ سنت کے نزدیک غلط ہے، اسی طرح کچھ صحابہ کرام سے بعض گناہ یقیناً صادر ہوئے لیکن ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس

---

[1] فتاویٰ عزیزی، ص۲۳۹.
[2] فتاویٰ عزیزی، ص۲۴۳.

کی مغفرت کا اعلان بھی کیا گیا، اس لئے بھی ان کو مرتکب کبیرہ جاننا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ نیز درج بالا دونوں باتیں نہ صرف یہ کہ جمہور سلف وخلف کے نزدیک غلط ہیں، خود آپ کی تصریح کے بھی مخالف ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان جیسے جوابات کے طرزِ تحریر، دلائل اور دلیل ودعویٰ میں غور وخوض کرنے کے بعد یہ یقین نہیں ہوتا کہ یہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ جیسے جامع کمالات بزرگ کی تحریر ہے۔

اس لئے اس میں مناسب بات وہی ہے جو ہندوستان کے نامور فقہاء مثلاً حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی صاحب رحمہم اللہ نے ذکر فرمائی کہ اس پوری کتاب "فتاویٰ عزیزی" کی نسبت حضرت شاہ صاحب کی جانب درست نہیں اور اس میں بہت سی باتیں غلط اور خود آپ کی اور آپ کے علمی خاندان کے تحقیق کے خلاف ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"اس طرح کا ایک مضمون حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ کی طرف ان کے فتاویٰ کے حوالہ سے منسوب کیا گیا ہے، یہ مضمون کئی وجہ سے ایسا ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ جیسے جامع بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی، اور فتاویٰ عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے، اس کے متعلق سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے نہ خود اس کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔۔اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی

نے کوئی تدسیس اس میں کی ہو اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لئے فتاویٰ کے مجموعہ میں شامل کر دیا ہو۔"[1]

حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی صاحب ایک تفصیلی فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

"مطبوعہ فتاویٰ عزیزی میں رطب ویابس کو شامل کر دیا گیا، جس میں مبتدعین وروافض کی تدسیس بھی ہے، موضوع روایات بھی ہیں، غلط مسائل بھی ہیں، بغیر سوال وجواب کے بھی بعض عبارات ہیں، اس لئے جب تک کتب معتمدہ سے تائید نہ ہو جائے، اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا، تقریباً پچاس مقامات کے متعلق تو میری یادداشت میں کلام ونظر۔ بعض مسائل تو بالیقین روافض کی تائید میں ہیں، جس نے حضرت شاہ صاحب کی "تحفہ اثنا عشریہ" کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے حضرت شاہ صاحب کا مزاج ومذہب کیا تھا، اس لئے اس مجموعہ کو یہ کہنا کہ حضرت شاہ صاحب ہی کا ہے، صحیح نہیں۔"[2]

اگر اس بات کو تسلیم نہ کیا جائے اور فتاوی عزیزی کو بہر حال حضرت شاہ صاحب کی کتاب تسلیم کیا جائے تو بھی موقع ومحل کے مناسب کوئی تطبیق وتاویل کی جائے گی اگر چہ بظاہر کچھ بعید بھی ہو کہ مثلاً عدالت اور صداقت فی الرّوایۃ میں انحصار مقصود نہیں ہے اسی طرح دیگر امور زندگی میں عدالت کی نفی مطلوب نہیں، ورنہ تو یہی کہا جائے گا کہ یہ آپ کی انفرادی رائے ہے جو جمہور کے موقف کے معارض نہیں ہو سکتا بلکہ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ تحفہ اثنا عشریہ فتاویٰ عزیزی

---

[1] مقام صحابہ، ۷۴

[2] فتاوی محمودیہ، ج۱۶ص۲۷۷

میں درج شدہ ان جیسے جوابات سے بعد کی تصنیف ہے تو اسی میں ذکر کردہ موقف آپ کا حتمی اور آخری موقف سمجھا جائے گا۔

علامہ عبد الحئ لکھنوی کی تائید

"فتاویٰ عزیزی" میں عدالتِ صحابہ کی درجِ بالا مفہوم کو دیکھ کر بہت سے اہلِ علم نے بھی حضرت شاہ صاحب کی متابعت میں اس کو اہل سنت کا موقف سمجھ کر قبول فرمایا اور یوں مختلف کتابوں میں نقل در نقل یہ مفہوم منتقل ہوتا رہا، چنانچہ ہندوستان کے وسیع النظر عالم علامہ عبد الحئ لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے اس جواب کو تائید بلکہ بڑے داد اور نفیس علمی تحقیق کے طور پر نقل فرمایاہے اور ساتھ اس نکتہ کو محفوظ رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

فاحفظْ هذا كلّه، لعلّك لا تجده مِن غيري مِن السّابقين الماهرين، فضلا عنْ أفاضل عصري لقصور نظرهم وفتور فهمهم.[1]

لیکن چونکہ یہ اہل سنت کے موقف کے خلاف ہے اس لئے علامہ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ نے اس کو "خطاء فاحش" قرار دیا اور حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالہ سے جو عدالت کا درج بالا مفہوم نقل کیا تھا، اس کے ساتھ بھی بالکل اتفاق نہیں کیا کیونکہ "تمام محدثین اور فقہاء نے یہاں عدالت کی تعریف یہ کی ہے کہ یہ وہ راسخ ملکہ ہے جو انسان کو کبائر کے ارتکاب کرنے، صغائر پر اصرار کرنے اور خلاف مروت کام کرنے سے روکتا ہے چنانچہ خود علامہ لکھنویؒ نے بھی اسی کتاب میں

---

[1] ظفر الأماني،ص۵٤۲.

پہلے عدالت کی یہی تعریف ذکر کی ہے اور میری معلومات کے مطابق فقہاء ومحدثین میں سے کسی نے روایت قبول کرنے کے باب میں عدالت سے یہ معنی مراد نہیں کہ راوی قصداً جھوٹ بولنے سے احتراز کرے اور بس"۔[1]

عدالتِ صحابہ کی بنیادی وجوہات، اہمیت اور مقام

حضرات صحابہ کرام کی عدالت، تقویٰ وطہارت اور بزرگی کی دو بنیادی وجوہات ہیں:

پہلی وجہ

ایک تو یہ کہ قرآن وسنت اور پوری شریعت امت تک پہنچانا عالم اسباب کی حد تک انہی حضرات کی مرہون منت ہے، یہ امت براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہونے کا تحمل کر سکتی ہے، نہ ہی ہر کسی کو حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت وملاقات اور ان سے استفادے کی عظیم دولت نصیب ہو سکتی ہے، بس جو کچھ اس کے پاس ہے یا ہو سکتا ہے وہ اسی مقدّس جماعت کی وساطت ہی سے پہنچ سکا ہے، اب اگر اس اکلوتے ذریعہ کو بھی ناقابلِ اعتماد ٹھہرایا جائے تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ پوری شریعت سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور پھر دل بہلانے کے لئے کسی نئے "معصوم" کی آمد کا فلسفہ وضع کیا جائے گا۔

---

[1] ظفر الأماني، استدراكات، ص٥٨٢.

امام نسائی کا ایک زریں ملفوظ

امام نسائی رحمہ اللہ سے جب ایک شخص نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے بڑا مناسب اور عمدہ جواب دیا کہ: صحابہ کرام کی حیثیت دین اسلام کے لئے دروازے کی سی ہے اور جب کوئی کسی کے گھر کا دروازہ توڑتا ہے تو خود دروازے سے کوئی ضد یا دشمنی نہیں ہوتی، بلکہ اصل دشمنی تو اس گھر اور اہل خانہ کے ساتھ ہے جن تک اس دروازے کو روندے بغیر پہنچنا ناممکن تھا، یوں ہی اسلام دشمن لوگوں کی جب براہ راست اسلام تک رسائی نہ ہو سکے تو اس آہنی دروازے پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

امام مزّی رحمہ اللہ آپ کا یہ ملفوظ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سئل أبو عبد الرحمن النسائي عن معاوية بن أبي سفيان صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: إنما الإسلام كدار لها باب، فباب الإسلام الصحابة، فمن آذى الصحابة إنما أراد الإسلام، كمن نقر الباب إنما يريد دخول الدار، قال: فمن أراد معاوية فإنما أراد الصحابة.[١]

ترجمہ: "ابو عبد الرحمٰن نسائی سے حضرت معاویہ بن ابی سفیان صحابی رضی اللہ عنہم کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ: اسلام کی مثال اس گھر جیسی ہے جس کا ایک دروازہ ہو، پس اسلام کا دروازہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، جس نے بھی صحابہ کو تکلیف دی دراصل اس نے اسلام کے (ڈھانے) کا ارادہ

---

[١] تهذيب الكمال في أسماء الرجال، ج١ص ٣٣٩.

کیا۔ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جیسا کہ دروازے کو کھٹکھٹانے والا گھر میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ فرمایا جو حضرت معاویہؓ کا نام (بُرائی سے) لیتا ہے دراصل وہ تمام صحابہ کرام کو برا بھلا کہنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

علامہ خطیب بغدادی صاحب اپنی سند کے ساتھ امام ابو زرعہ سے بڑی پتے کی بات نقل کرتے ہے کہ: جب قرآن ورسالت کی باتیں صحابہ کرام ہی کی وساطت سے امت کے ہاتھ پہنچی ہیں تو اب اس ذریعہ کی توہین وتذلیل کرنا درحقیقت اسلام دشمنی اور زندقہ کے مترادف ہے کیونکہ جب ذریعہ ناقابلِ اعتماد ٹھہرا، تو اس کے بعد ان کی نقل پر کہاں تک اعتماد کیا جاسکتا ہے! خصوصاًوہ بھی قرآن وحدیث جیسے نازک معاملہ میں! آپ فرماتے ہیں کہ:

إذا رأيت الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فاعلم أنه زنديق، وذلك أن الرسول عليه الصلاة والسلام حق والقرآن حق وما جاء به حق، وإنما أدىٰ إلينا ذلك كله الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم والمنتقصون لهم يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة والجرح بهم أولىٰ.[1]

ترجمہ: "جب تم کسی شخص کو صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنے والا دیکھو تو سمجھ لینا کہ وہ زندیق ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ بھی سچے ہیں اور قرآن اور آپ ﷺ کی تعلیمات بھی برحق ہیں اور یہ سب ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے ملا ہے۔ اور جو ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں دراصل وہ ہمارے ان

[1] الكفاية في علم الرواية،باب ما جاء في تعديل الله ورسوله للصحابة،ص٤٩.

گواہوں کو غلط ثابت کرکے قرآن وحدیث کو مٹانا چاہتے ہیں، لہذا انہی لوگوں پر جرح کرنا بہتر ہے"۔

عدالتِ صحابہ کی دوسری بنیادی وجہ

خیر: یہ بات اپنی جگہ بالکل درست اور معقول ہے لیکن اس سے بڑھ کر ایک اور اہم وجہ یہ ہے کہ قرآن وسنت کے بیسیوں نصوص میں اس مقدس جماعت کو مغفرت، رضوان، جنتی ہونے، فسق وفجور سے نفرت، ایمان اور اس کی مقتضیات کو دل میں جگہ دینے، خیر امت ہونے اور اللہ تعالیٰ اور دین اسلام کی نصرت کی خاطر ہر طرح قربانی دینے والا بتایا گیا، اور ساتھ امت کو ان پر طعن وتشنیع کرنے، ملامت وتنقید کرنے، ان کے ساتھ بغض وعداوت رکھنے اور نامناسب انداز میں ان کا تذکرہ کرنے سے سختی کے ساتھ روکنے کی تاکید کی گئی، ان میں سے اکثر باتیں قطعیت کے ساتھ یا کم از کم غالب ظن کے ساتھ ثابت ہیں، ان میں سے جو بات جس درجہ میں ثابت ہو، اس حد تک اس کا اعتقاد وتصدیق لازم ہے۔

اب غور کرنے کی بات ہے کہ اگر عدالت صحابہ کا مسئلہ صرف نقلِ اخبار اور روایتِ حدیث تک ہی منحصر رکھا جائے تو پہلی وجہ کے مطابق شاید کسی حد تک اس کو تسلیم کیا جاسکے لیکن اس دوسری وجہ کے مطابق اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور ان نصوص کی وجہ سے اس طرح محدود عدالت کا قائل ہونا ہر گز کافی نہیں ہے۔

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الکفایۃ" میں بڑی نفیس اور عمدہ بحث ذکر فرمائی ہے، اسی میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کی عدالت

وطہارت قرآن کریم اور بہت سی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے، یہی وجہ ہے کہ سب اہل حق نے اسی موقف کو اختیار کیا، آپ لکھتے ہیں:

والأخبار في هذا المعنىٰ تتسع وكلها مطابقة لما ورد في نص القرآن وجميع ذلك يقتضي طهارة الصحابة والقطع علىٰ تعديلهم ونزاهتهم فلا يحتاج أحد منهم مع تعديل الله تعالىٰ لهم المطلع علىٰ بواطنهم إلىٰ تعديل أحد من الخلق لهم...هذا مذهب كافة العلماء ومن يعتد بقوله من الفقهاء.[1]

ترجمہ: "اس بارے میں بکثرت احادیث ہیں اور وہ سب کے سب قرآن کریم کے موافق ہیں۔ اور یہ سب کچھ تمام صحابہ کرام کے پاک ہونے اور یقینی طور پر ان کے نیک اوصاف ہونے کا تقاضہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ کرام کی صفائی بیان ہونے کے بعد کسی دوسرے کی صفائی کی ضرورت نہیں رہتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے باخبر ہیں۔ تمام معتمد علماء وفقہاء کا یہی مسلک ہے"۔

امام غزالی رحمہ اللہ بھی یہی ذکر کرتے ہیں کہ: خود قرآن کریم کی کئی نصوص صحابہ کرام کی عدالت پر دلالت کرتے ہیں لہذا اسی کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے اور اس کے بعد مزید کسی گواہی کی کوئی حاجت نہیں، البتہ اگر بالفرض کسی قطعی طریقہ سے ان میں سے کسی کا فاسق ہونا ثابت ہو جائے تو اس کا عادل کہنا ضروری نہیں ہو گا لیکن الحمدللہ ایسا واقع نہیں ہوا۔

---

[1] الكفاية في علم الرواية،باب ما جاء في تعديل الله ورسوله للصحابة،ص٤٨.

"والذي عليه سلف الأمة، وجماهير الخلف، أن عـدالتهم معلومـة بتعديل الله عز وجل إياهم وثنائه علـيهم في كتابـه، فهـو معتقـدنا فيهم إلا أن يثبت بطريق قاطع ارتكاب واحد لفسق مع علمه بـه، وذلك مما لا يثبت فلا حاجة لهم إلى التعديل.[1]

ترجمہ:"امت کے پہلے بزرگوں اور پچھلے جمہور علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام کی عدالت اور صفائی اور تعریف سے معلوم ہوگئی، پس ہمارااِن کے بارے میں یہی عقیدہ ہے۔ البتہ ان میں کسی سے دانستہ طور پر کسی گناہ کا ارتکاب (اور اسپر برقرار رہنا) کہیں معلوم ہو(تو یہ الگ بات ہے) تاہم اس قسم کی کوئی بات ثابت نہیں تو ان کی تعدیل کی مزید کوئی ضرورت نہیں"۔

آپ ہی اپنی دوسری مفید کتاب "الاقتصاد" میں تحریر فرماتے ہیں:

اعلم أن كتاب الله مشتمل علىٰ الثنـاء علىٰ المهـاجرين والأنصـار وتواترت الأخبار بتزكية النبي صلىٰ الله عليه وسلم إيـاهم بألفـاظ مختلفة.[2]

ترجمہ:"اللہ تعالیٰ کی کتاب مہاجرین اور انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف پر مشتمل ہے، جبکہ آپ ﷺ کی متواتر احادیث ایسی ہیں جن میں آپ ﷺ نے مختلف الفاظ میں ان کی صفائی اور پاکی بیان فرمائی ہے"۔

ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ:

الف: صحابہ کرام کی عدالت قرآن وحدیث کے متعدد نصوص سے ثابت ہے۔

---

[1] المستصفى، الفصل الرابع في عدالة الصحابة رضي الله عنهم،ص: ١٣٠.

[2] الاقتصاد في الاعتقاد ، الباب الثالث في الإمامة،ص١٣١.

ب: یہ ثبوت بھی قطعی ہے۔

ج: اگر اس کے خلاف کوئی دلیل مل جائے تو اگر وہ قطعی نہ ہو تو اس کو قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ قطعی دلیل کے خلاف غیر قطعی دلیل قائم ہو بھی جائے تو اس کو اصولاً تعارض یا معارضہ قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے تاویل یا ترجیح دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے ،اور اگر عدالت کے اس نظریہ کے خلاف کوئی دلیل قطعی قائم ہوجائے تو البتہ پھر دونوں قسم کے دلائل میں تعارض آجائے گا اور پھر تاویل یا ترجیح دینے کی ضرورت آئے گی لیکن امام غزالی رحمہ اللہ کے بقول ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

حرفِ آخر

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن وسنت کے متعدد نصوص میں صحابہ کرام کی تعریف، فضیلت اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت ورضوان کا اعلان کیا گیا جو ان کی عدالت کی دلیل ہے اس لئے جمہور سلف وخلف بھی برابر عدالت صحابہ کے قائل ومعتقد رہیں، اور یہاں عدالت سے مراد وہی مفہوم ہے جو تقویٰ کا ہے بلکہ عام افراد امت کے مقابلے میں صحابہ کرام کے اعمال کا وزن وثواب بھی زیادہ اور بہت زیادہ تھا اور ساتھ ان کی لغزشوں کی معافی ومغفرت بھی یقینی ہے اور اس بات کا اعتقاد رکھنا جہاں شریعت واسلام کے سالمیت واستحکام کے لئے عقلاً ضروری ہے یوں ہی دیگر احکامِ شریعت کی طرح قرآن وحدیث کا استقلالاً بھی یہی حکم ہے جس سے انحراف کی کسی طرح گنجائش نہیں ہے۔